iqbal ki saheri (4)_convert

از۔ڈاکٹر قطب سرشار

موظف لیکچرر۔ محبوب نگر۔ تلنگانہ

اقبالؒ کی شاعری کے تخلیقی تیور اور فکری ماخذ

اقبالؒ کا شعری اظہار بے پناہ شعریت سے معمور تلازموں کا اثر انگیز ارتکاز ہے۔ متقدمین کے دور سے عصر حاضر کی شعریت کی مختلف متعین تعبیرات ہوتی رہی ہیں ان تعبیرات کے حوالے سے اقبالؒ اپنی ادبی شناخت کے لئے حرفِ شاعر سے اعراض کرتے رہے ہیں وہ اس بات سے بھی اتفاق نہیں کیا کرتے تھے کہ انھوں نے فلسفہ کو بھی وسیلۂ اظہار بنایا ہے کلام اقبال کے تخلیقی تیور ان کی شاعرانہ شبیہ کو اُبھارتے ہیں لیکن انھوں نے شاعری نہیں کی ہے۔ بلکہ شعریت و تخلیقت کے متنوع رنگوں میں ایک مخصوص آفاقی وابدی نظریۂ حیات اور ادراک حق کی تعبیرات و تشریحات رقم کی ہیں۔ یہاں ہم ایک نہایت اہم اور توجہ طلب کے نکتے کی جانب توجہ مبذول کروانا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ کہ شاعری کو اگر کسی مخصوص مکتب فکر یا کسی ازم کا ترجمان یا وسیلۂ اظہار بناتے ہیں تو وہ شاعری نہیں رہ جاتی بلکہ نعرہ بازی' پند و نصیحت رُشد وہدایت کا منظوم اظہار ہو کر رہ جاتی ہے۔ جبکہ اقبال نے قرآن و حدیث کی روح کو شاعری کا وسیلہ اظہار بنایا ہے۔ اس کے باوجود اقبالؔ کا لہجۂ شعر نعرہ بازی پند و نصیحت کے روکھے اور بے مزہ طرز اظہار سے مبّرا ہے۔ انھوں نے پُل صراط فن سے خود کو نہایت احتیاط کے ساتھ گذارا ہے کہ کہیں بھی افراط و تفریط اور عدم توازن بیان کا شکار نہیں ہوئے۔ اگر اقبالؔ پُل صراط فن سے کٹ کر گر گئے ہوتے تو نرے شاعر ہوتے یا پھر مرُشد و مولانا' اقبالؔ اپنے خطوط میں اعتراف کرتے ہیں کہ انھیں شاعری سے کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے۔ نہ ہی خود کو شاعر باور کرواتے ہیں۔ اس حوالے سے علامہ اقبالؔ کے خطوط کے چند اقتباسات ملاحظہ کریں۔

(۱) ''فن شاعری سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ ہاں مقاصد خاص رکھتا ہوں اس ملک کے حالات و روایات کی

رُوسے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کیا۔(اقبال نامہ ۱/ ۱۹۲)"

(۲) "شاعری میں لٹریچر بحیثیت لٹریچر کبھی میرا مطمح نظر نہیں رہا کہ فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کے لئے وقت نہیں ہے مقصود صرف یہ ہے کہ خیالات میں انقلاب پیدا ہو اور بس۔ اس بات کو مد نظر رکھ کر جن خیالات کو مفید سمجھتا ہوں ان کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کیا عجیب کہ آئندہ نسلیں مجھے شاعر تصور نہ کریں اس واسطے کہ آرٹ غایت درجے کی جانکاہی چاہتا ہے اور یہ بات میرے حالات میں میرے لئے ممکن نہیں" (اقبال نامہ ۱۰۸/۱)

محولہ دونوں خطوط کے علاوہ اقبال کا یہ شعر امیں بات کا انکشاف ہے انھوں نے منظوم پیرائے میں اہم ترین مضمرات کی گرہ کُشائی کی ہے نہ کہ شاعری۔

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھے: کہ میں ہوں محرم رازِ دُردنِ مئے خانہ

نوائے پریشان' رازِ دردن مئے خانہ اس شعر کے کلیدی الفاظ ہیں۔ اقبالؔ فساد معاشرہ سے بیزار و پریشان ہیں حرف نوائے پریشاں اقبال کے اصلاحی رُجحان کا نمائندہ ہے اور مئے خانہ استعارہ ہے قرآن و حدیث اور تربیت گاہِ تصوف کے حوالے سے فسادزدہ نسلِ انسانی کے قلب و نظر کی تربیت اقبال کا مقصود ہے۔

انسانی معاشرے میں توازن پیدا کرنے سدھارنے سنوارنے اور رُوئے زمین پر قیام امن کو یقینی بنانے' افکار و نفسیات کی منفی محرکات کے ضرر سے فرد اور معاشرے کو محفوظ و مامون رکھنے کے لئے پائیدار علم اور صحت مند آگہی درکار ہے۔ حصول علم کے بعد ذہنی تربیت اور تدبّر سے ادراک و آگہی کا القا ہوتا ہے شاعرانہ و حکیمانہ اظہار کے وسیلے سے علم حقیقی کی آگاہی اور ذہنی تربیت کے امکانات کو یقینی بنایا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مذاہب کے وہبی پیامات کی ترسیل شاعرانہ و حکیمانہ پیرائے میں ہوئی ہے۔ ہمیں قرآن مجید کا لسانی طرز اظہار بھی شاعرانہ و حکیمانہ امتزاج لگتا ہے۔ چنانچہ کہیں قرآن مجید پر طرز اظہار سے قاری پر شاعری کا گمان غالب نہ ہو جائے متکلم قران نے خود اپنے اسلوب بیان اور حقیقت معنیٰ کی وضاحت کرتا ہے۔

" وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِي لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ

ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور وہ آپؐ کے شایان بھی نہیں یہ تو بس نصیحت کا مضمون ہے (سورہ یسینٰ آیت ۶۹)

علامہ اقبالؔ نے قرآن و سنت کی رُوح کو اقوام عالم کے ذہنوں میں جذب کے لئے شعری اظہار کے وسیلے کا انتخاب کیا ہے۔ کلام اقبالؔ کا پیام ان کے اپنے ذاتی تجربات و مشاہدات کا چربہ ان کی اپنی سوچ کا ماخذ نہیں ہے بلکہ کتاب و سنت کی روح و تدبّر فی القرآن کا تحقیقی ماخذ ہے۔ اس انکشاف کے بعد کلام اقبال کی آفاقیت و ابدیت اور وہبی حقیقت کی فہم سہل ہو جاتی ہے۔ شاعری میں ادراک حق یا ادراک حق کا شاعرانہ اظہار جیسی اصطلاحوں کے زینے طے کرتے ہوئے کلام اقبال کی رفعتوں تک رسائی کے مراحل بآسانی طے کئے جاسکتے ہیں۔ تفہیم و ترسیل کے مرحلے میں اک سوال بدستور حائل نظر آتا ہے کہ اقبال خود کو شاعر باور نہیں کرواتے ہیں تو ان کے کلام کو فن کے کس خانے میں رکھا جائے؟ فنی اعتبار سے کلام اقبال کے شاعری ہونے میں کسی تردّد کی گنجائش نہیں البتہ اس کے معنوی البعاد ادراک حق کے گرہ کُشا اور تحریک قلب و نظر کے موجب ہیں۔

لٹریچر کے دنیا میں فنی نقطۂ سے محاکاتی زبان میں شاعر کے اپنے ذاتی احساسات' تجربات و مشاہدات کا فنکارانہ اظہار شاعری ہے جس سے بصیرت اور مسرت اخذ کی جاسکتی ہے جو ناپائیدار' تغیر پذیر اور مختصر ہوتی ہے۔ جبکہ ادراک حق خالص وہبی آگہی ہوتا ہے۔ یہ غیر متغیر پائدار ابدی و آفاقی اور فیض رساں بھی ہوتا ہے۔ کلام اقبال میں تخلیقت الفاظ کی معنوی توانائی فنی رچاؤ الفاظ کے سیاق و سباق کی موزونیت کے ساتھ تخلیقی برتاؤنت نئی معنوی فضاؤں سے متعارف کرواتا ہے۔ ایسے الفاظ کلاسیکی ورثے کے نمائندہ اور تاریخی تناظر کے حامل ہوتے ہیں۔ اقبالؔ نے غیر مروج الفاظ کو حیات بخشی ہے اور مروجہ الفاظ میں نئی توانائی سمو دی ہے یعنی انھیں Re Carge کیا ہے۔ وہ الفاظ جو مذہبی علائم اور عبقری کرداروں کے استعارے ہیں انھیں اقبالؔ نے عصر حاضر کے انسان کی شخصیت و ذہن سازی کے اوزار (Tools) کے بطور استعمال کیا ہے۔ لفظوں کے برتاو کا سارا نظام ٹکنیکل ہوتے ہوئے بھی غیر شاعرانہ نہیں لگتا۔ تقریباً ہر ایک لہجہ شعر جذبے کو تحریک دیتا ہے۔ اور شعر اقبال کے صفت یہ بھی ہے کہ وہ دل و نگاہ دونوں کو حرارت بخشتا ہے۔

معاشرتی ماحول فرد اور سماج کے انفرادی و اجتماعی انداز فکر' ماضی کی روایات' افراد کے مابین نفسیاتی کشمکش' معاشی مسابقتوں کی دوڑ' تہذیبی و ثقافتی اختلافات کا پیچیدہ اور غیر منظم و غیر فطری نٹ ورک Net

work ہے ایسے ماحول میں جذباتی اور قابل احترام رشتوں کے مابین تناؤ اور دراڑیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ادب کا منصب فساد معاشرہ کا صرف احساس وادراک کروانا ہوتا ہے۔ کسی مستحکم و مشترکہ نظام حیات کی نشاندہی ادیب کے بس کا روگ نہیں۔ اور نہ ہی کسی بھی قوم کا عبقری دماغ ایک غیر متغیر اور آفاقی نظام حیات کی تخلیق کر سکتا ہے۔ ایسا نظام حیات جو ساری انسانیت کو فساد قلب و نظر سے نجات دلا پائے کسی بھی دانشور کے بس کا روگ نہیں ہے اقبال کا فکری ماخذ بلاشبہ ایک غیر متغیر آفاقی وابدی نظام حیات و مظاہر کائنات کا ادراک ہے۔ جو ایک اور انسان کا جامع کردار ساز ہو۔ ایسے ماڈل کی تراش کے مقصد کے تحت اقبال نے اپنی شاعری میں شاہین' مرد قلندر' مرد مومن' مجسم خودی' مرد حُرّ فقیر' دانائے حق' خود نگر وخود شکن وغیرہ جیسے استعاروں کے حوالے سے ایک روشن کردار کے نقوش ابھارے ہیں۔ یہ کردار عرفان خودی کی نہایت طاقتور تجسیم ہے جو مقام بادشاہت پر متمکن رہتا ہے۔

یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبح گاہی: کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام بادشاہی

باد صبح گاہی اقبال کے مکتب فکر کا استعارہ ہے۔ اس کے علاوہ شعر میں خودی کا عارف' مقام بادشاہی بھی معروف الفاظ سہی اجنبی استعارے بھی ہیں۔ صبح کی فرحت بخش ہوا اکسیجن سے بھرپور ہوتی ہے۔ اور آکسیجن بقائے حیات ہے یہی بقائے حیات تو شعر اقبال کی رُوح ہے۔ باد صبح گاہی خانقاہ قرآن وسنت ہے۔ جس سے خودی کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ خودی کا عارف مقام بادشاہت پر فائز ہوتا ہے۔ بادشاہت کی دسترس ہیں' حکومت' دولت' طاقت اور قدرت ہوتی ہے۔ یہ چاروں اسباب انسان کی کمزوری ہیں اور کمزور انسان کنگال ہوتا ہے بادشاہ نہیں' عرفان خودی کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی ذات سے جڑی تمام تر کمزوریوں اور طاقتوں سے پوری طرح آگاہ رہے اور اپنے وجود کو ان کمزوریوں سے آزاد کر لے۔ فاتح نفس ہو جائے نفس کا غلام نہ رہے۔ بادشاہ اور غلام دونوں الفاظ معنوی تضادات کے حامل ہیں اقبال وجود کی داخلی وخارجی تمام تر منفی و مثبت توانائیوں کے عرفان کو "عرفان خودی سے" تعبیر کرتے ہیں۔ بادشاہ وہی ہوتا ہے جو نفس یا کسی بھی طاقت کا اس پر زور نہیں۔ مرد مومن' شاہین' فقیر' قلندر' مرد حُرّ ساری استعارے خودی کے عارف کی پہچان اور صوفیانہ اصطلاحات بھی ہیں۔ تصوف' قرآن وسنت کی فکری توانائیوں کو جسم وجان میں جذب کرنے کا جامع تربیتی نصاب ہے۔ یہ وہ نصاب ہے جسکی عملی مشق سالک راہ حیات کو نفس کی آلائشوں سے پاک کرتی ہے۔ اور شخصیت فقر کا پیکر بن جاتی

ہے۔اس حوالے سے چند اشعار حاضر ہیں۔

آدم کا ضمیر اس کی حقیقت پہ ہے شاہد
مشکل نہیں اے سالک رہ علم فقیری A فولاد کہاں رہتا ہے شمشیر کے لائق
پیدا ہوا گر اس کی طبیعت میں حریری
خود دار نہ ہو فقر تو ہے قہر الٰہی
ہو صاحب غیرت تو ہے تمہید امیری
افرنگ زخُود بے خبرت کر دو گر نہ
اے بندۂ مومن تو بشیری تو نذیری

وحدت موضوع کے اعتبار اس غزل کے چار اشعار ایک مکمل خطابیہ نظم ہے اس میں مخاطب ہے بندۂ مومن اقبال بندۂ مومن کو اس کی بے پناہ طاقتور صفات' ادراک فقر' امیری خودداری' غیرت' بشیری ونذیری سے روشناس کرواتے ہیں ۔فرنگی طرز معاشرت اور تہذیب فکر سے خبر دار کرتے ہیں۔ کہ اس معاشرہ کی چکاچوند نے بندۂ مومن سے اسکی جامع صفات کو غیر محسوس طور پر چھین لیا ہے۔ جبکہ بندۂ مومن بشیر ہے دنیا کو صراط مستقیم کی بشارت دیتا ہے بشارت ہے قلب ونگاہ کو نفس کی آلائشوں پاک کرنے کی۔ بندۂ مومن اُن عناصر کو نذارت سے آگاہ کرتا ہے جو فساد فی الارض کے نٹ ورک میں الجھے ہوئے ہیں۔ نذارت ڈرانا دھمکانا نہیں ہوتا بلکہ انسان میں آشوب بصیرت سے نجات حاصل کرنے کا شعور بیدار کرنا ہے۔ اقبال افکار فرنگ کے ذائچوں کو فساد فی الارض کا بنیادی سبب مانتے ہیں۔

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک وخیال بلند وذوق لطیف

شعر اقبال میں الفاظ کی نشست روشن نگینوں کی طرح موزوں اور چُست ہوتی ہے ان نگینوں سے اعماق معنی کا نُور چھنّے لگتا ہے اس نور سے دل و نگاہ روشن ہو جاتے ہیں۔ فساد قلب و نظر' فرنگی مدنیت کی آلودگی کے باعث ہے جبکہ مرد مومن کی طاقتور وصفات ہیں ضمیر پاک' خیال بلند اور ذوق لطیف اقبال نے بندہ مومن کے برعکس ثقیف وشاطر فرنگی دانشوری کی کھوکھلی تہہ داریوں کی بے بضاعتی کو اُجاگر کر دیا ہے۔ فرنگی جس نے ساری دنیا کو گلوبل ویلج کا روپ دے رکھا ہے اور ہر سمت العباد مناظر اور نئی سائنس و نظریاتی و مصنوعات کا دل پذیر شوروم بنا رکھا ہے۔ جہاں مرغوبات نفس کے گوناگوں سامان سجائے ہوئے ہیں۔ اس جنت ارضی کو پانے کی چاہ میں انسان حصول زر کا آلۂ کار ہو کر رہ گیا ہے فرنگی مدنیت نے انسانی اقدار یعنی ضمیر پاک بلند خیالی اور ذوق لطیف کی معنویت کو پامال کر دیا ہے کثافتوں کی شکار انسانیت نفاق کی اکائیوں میں بٹ کر رہ گئی ہے۔ مومن کا مطلب ہوتا ہے قیام امن کا محرک کا ضامن اور امن کی ضد ہے فساد۔ فساد جسم وجاں کے ماحول میں پرچم امن کو لہراتے دیکھنا فریب نظر ہے۔

اقبال نے ایمان وایقان کی گُتھیاں سلجھائی ہیں۔ دل و نگاہ کو آلودگیوں سے پاک کیا ہے۔ نام نہاد ترقی پسند' آزاد خیال مادہ پرست اور منکر خدا کے بکھرے ہوئے اذہان کو اضطراب سے نجات دلائی ہے۔ اس حوالے سے یہ چار مصرع ملاحظہ کریں۔

تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا
وجود کیا ہے فقط جوہر خودی کی نمود
کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

منطقی ذہن کے حامل مادہ پرست جو خدا کے وجود کے منکر ہوتے ہیں انھیں اقبال للکارتے ہیں کہ وہ خود تو اپنے وجود کے داخلی و خارجی اسرار کا ادراک نہیں رکھتے خدا کے وجود کا جواز طلب کرتے ہیں۔ مخلوق جو اپنی ذات کا ادراک نہیں رکھتی بھلا خدا کا وجود اس کے ذہن رسا کی گرفت کیسے آسکتا ہے آگے بڑھ کر خود اقبال اپنے سوال کا جواب دینے لگتے ہیں۔ ع

وجود کیا ہے فقط جوہر خودی کی نمود

جوہر خودی اک اچھوتی اصطلاح جسے اقبال نے جوہر اور خودی کی ترکیب سے اختراع کی ہے۔ اقبال کا یہ استدلال کہ حقیقت وجود کا عرفان اور جوہر خودی دونوں مترادفات ہیں یعنی وجود اک ظاہری خول ہے جس کے اندر اک بے پناہ طاقتور جوہر پوشیدہ ہے۔ جو "خودی" سے عبارت ہے یہ جوہر خودی وجود انسان کی حقیقی شناخت ہے۔ یہ ایسی بے پناہ طاقت ہے جو انسان کو تمام مخلوقات میں ممیز کرتی ہے۔ خودی کی خلوت اور جلوت یعنی داخلی و خارجی کی مضمرات کا انکشاف اقبال ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

خودی کہ جلوتوں میں مصطفائی

3خودی کی خلوتوں میں کبریائی

/زمین و آسماں ' کرسی و عرش

9خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

غور طلب یہ ہے کہ "جوہر خودی" کے تعارف نامے کے بطور محولہ چار مصرعے جوہر خودی کے کس حد تک عقد کشا ہوتے ہیں۔ ان مصرعوں میں خودی کی توضیح و تشریح نہیں ہے فقط خودی کی صفات گنوائی گئی ہیں کہ خودی کا ظاہر مصطفوی ہے اور باطن اُلوہی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ارض و سما کرسی و عرش وغیرہ سارے مظاہر قدرت خودی کے اختیار میں نظر آتے ہیں۔ یہ استدلال قرآنی آیت کی تعبیر معلوم ہوتا ہے۔ سَخَّرَ لَکُم مَافِیْ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرَضْ تاہم اس سوال کا جواب کھوجنا باقی رہ جاتا ہے "خودی" فی نفسہہ کیا ہے۔؟

عرفان ذات؟

ایمان و ایقان؟

حُبِّ رسولؐ؟

یا پھر فقط احکام الٰہی کی پابندی؟ (بقول اقبالؔ مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند)؟

کھلا کہ مندرجہ بالا تمام اُمور سے حاصل شدہ "طاقت" کو اقبال "خودی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو خودی کی

تعبیر کا مسئلہ حال ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے دو شعر

خودی میں ڈپ زمانے سے نا اُمید نہ ہو
کہ اس کا زخم ہے درپردہ اہتمام رفو
رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا
اُتر گیا جو ترے دل میں لا شریک لہ'

بحولہ چاروں مصرعے' بیانیہ' ایمائی و استعاراتی ہیں۔ مصرعہ اُولیٰ خطابیہ ہے خودی' زخم زمانہ' اہتمام رفو جیسے جامع استعارے ایک مخصوص آگہی کے رچاو کے انکشافات ہیں۔ خودی میں ڈوب جانا' دل میں لا شریک لہ' کو اُتار لینا معنوی اشتراک کے حامل الفاظ ہیں۔ یعنی استغراق خودی سے احساس و ادراک کو وجود کی توانائیوں سے ہم آہنگ کرنا ہے کہ کائنات کے فاعل حقیقی نے انسانی وجود کو بے پناہ توانائیوں کا مخزن بنائے رکھا ہے۔ ذات و کائنات کی تمام محرکات کا فاعل حقیقی خدائے واحد ہے۔ زخم زمانہ اقبال کی نظر میں دراصل اہتمام رفو ہے یعنی جبرِ معاشرہ صاحب تدبرّ کو محاربہ کی بجائے محاسبہ کی تحریک دیتا ہے اس طرح زخم زمانہ کا اندمال یقینی ہو جاتا ہے اس بدلاو کو اقبالؔ اہتمام رفو سے تعبیر کرتے ہیں کہتے ہیں جس دل میں " لا شریک لہ " اُتر جاتا ہے تو وہ یکتائے روزگار ہو جاتا ہے۔ لا شریک لہ' یعنی الٰہ واحد کی ذات کو نہیں بلکہ صفات کو دل میں اُتار لینا ہے اس بات کی مزید وضاحت یہ ہے کہ اللہ کی ذات و صفات اور اس کے دستور حیات میں بھی کسی اور کی ذات و صفات مکتب فکر اعمال و اذکار کو احساس و ادراک میں جذب ہونے سے بچائے رکھنا توحید ایمان ہے۔ فرد ہو کہ ملت جو انسان خودی (وجود کی توانائی) کا تحفظ کرنا جانے وہی زمانے میں بے مثال ہے۔ اللہ ایک' رسول ایک کتاب ایک اور رُوئے زمین پر ملت بھی ایک یہی تو نصاب توحید حیات انساں کا خلاصہ ہے۔ اور فساد فی الارض کے انسداد کا واحد حل بھی ہے۔ دل میں اُتار لینا کا مفہوم یہ ہوتا ہے قلب و نظر میں جذب کر لینا۔ یعنی حیات لا شریک لہ' کا ارتکاز بن جائے۔ یہی صحت مند ادراک حق ہے اور حق قابل ترویج اور تغیر پذیر نہیں ہوتا ہے۔ جو تغیر پذیر نہیں ہوتا ہو وہی آفاقیت و ابدیت سے عبارت ہے۔

اقبالؔ کے شعری اظہار کے تخلیقی تیور اور فکری' ماخذ کو اصطلاحوں اور ستعاروں کو بہر زاویہ منظر یہ منظر' شرح خود کی کلید ہیں دیکھا اور سمجھا جاسکتا ہے۔ مثلاً یہ چند اصطلاحیں۔ رعنائی افکار خاشاک غیر اللہ' شہید نغمۂ مستانہ' پردہ' افلاک' آئینۂ ادراک 'نواہائے سحر گاہی لذتِ اسرار آتش قبا' احرام حیات 'کف آئینہ' نفس شماری' نفس گدازی' وغیرہ اصطلاحیں کلیات اقبال کے ہر صفحے پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ اقبال نے ایک مخصوص و منفرد کردار کی شبیہہ کو ابھارنے کے لئے مرد مومن 'شاہین' قلندر' مرد غازی' مرد حُرّ' مرد سحر خیز' صاحب حُنوں جیسے جامع استعارے وضع کر رکھے ہیں۔ ان استعاروں کا وجدانی ذائقہ قوت متخیلہ کو اساطیری ماحول میں پہنچا دیتا ہے۔ یہ دراصل نئ شعری روایت کا تعارف نامہ ہے اور جویائے فن کے لئے تخیر نامہ' تمام تر استعارے شرح خودی کے کلید ہیں' ایسا نفس جو خواہشات کمزوریوں اور محرومیوں کا اسیر نہیں جو ذات کی داخلی و خارجی فتوحات کا حامل ہے آزاد مرد ہوتا ہے وہی مجسم خودی ہے۔ اس مجسم خودی کا ایک اور استعارہ ہے قلندز جسکی توصیف اقبال اس طرح کرتے ہیں۔

نہ تخت و تاج میں' نے لشکر سپاہ میں جو بات مرد قلندر کی بار گاہ میں ہے

فقر و فاقہ مرد قلندر کی صفات ہیں۔ فقر کا مطلب ہوتا ہے چاہت کو اطاعت میں بدل دینا فقر کی توضیحات اقبال ان الفاظ کے وسیلے سے کرتے ہیں۔ پہلے فقر کا مقام دیکھتے ہیں۔

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ: فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ

محولہ اشعار مقاماتِ فقر' جویائے فن کے لئے تخیرؔ نامہ سے عبارت ہیں اور مندرجہ ذیل اشعار میں لفظ فقر کی تکرار سے لگتا ہے کہ اقبال اس لفظ کے اہم ترین معنوی تناظر پر شدت کے ساتھ توجہ مبذول کروانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ فقر کے اوصاف کے موضوع پر یہ چند اشعار۔

فقر کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب و نگاہ
علم فقیہہ و حکیم' فقر مسیح و کلیم

فقر مقام نظر، علم مقام خبر

فقر تجسیم۔۔۔۔ہے پاکیٔ عقل و خرد کی عفّتِ قلب و نگاہ کی عقل و خرد برتاو کیا کرتا ہے کی توانائیاں ہیں جن کا انسان عموماً غیر صحت مند برتاؤ کرتا ہے۔ اور ایسا محرکات کے نفس کے سبب سے ہوتا ہے۔ نفس کی منفی محرکات یعنی ایسی محرکات جو فتنہ و فساد کا موجب ہوتی ہیں ان پر قابو پانے اور ان محرکات کو صحت مند جہتوں سے آشنا کرنے کے عمل کے لئے عفت قلب و نگاہ کی اصطلاح کا استعمال الفاظ کے جامع برتاؤ اور صحت مند شعور کو اُجاگر کرنے کی کامیاب سعی ہے۔ طاقتور شعری اظہار کا امکان لفظ شناسی اور جامع نشست الفاظ سے یقینی ہوتا ہے اقبال اس کمال ہنر کا بھرپور ادراک رکھتے ہی۔ محولہ اشعار میں لفظوں کے برتاو اور سرُعتِ ترسیل کے باعث تدبر اقبال تک رسائی سہل ہو جاتی ہے۔ علم اور فقر کے مبینہ اوصاف وجود انساں کے دو اساسی جوہر ہیں جن کے انکشاف سے دل و دماغ روشن ہو جاتے ہیں۔ اقبال سے پہلے علم اور فقر کے ایسے اوصاف شاید ہی کسی نے بیان کئے ہوں کہ علم سے فقیہہ و حکیم پیدا ہوتے ہیں اور فقر سے مسیحائی اور کلیمی صفات اخذ کی جاسکتی ہیں۔ علم سمتوں کی کھوج کرنا سکھاتا جبکہ فقر سے سمتوں کا ادراک ہونے لگتا ہے۔ علم راستوں کو اُجاگر کرتا ہے اور فقر راستوں کے نشیب و فراز اور نفع و ضرر کا ادراک رکھتا ہے۔ کھلا کہ خود اقبال کی شخصیت علم و فقر کا وقیع تر ارتکاز ہے۔ اقبال کی تمام تر شاعری دل و نگاہ کو ''طلسم استعارہ'' کی محیّر العقول فضا سے روشناس کرواتی ہے۔ استعاروں اور علامتوں کا استعمال نہایت محتاط شعری رویہ ہوتا ہے۔ جامع استعارے ذہن رسا پر بوجھ نہیں ہوتے ناکام استعارے ترسیل کی ناکامی اور ابہام کا سبب بن جاتے ہیں۔ جدید اُردو شاعری کا بیش تر حصہ لایعنیت کی دھند سے باہر نکل آتا نظر نہیں آتا۔

علامہ اقبال کی استعارہ نگاری ابہام کی علّت سے قطعی مبرا ہے۔ اس کی بڑی وجہ وحدت افکار ہے جو فقط ایک ہی مکتب یعنی اُلوہی مکتب کا ماخذ ہے۔

اقبالؔ کے شعری اظہار میں تخلیقیت کے حوالے سے پچاسوں اشعار بطور دلیل پیش کئے جاسکتے ہیں اس شعری اظہار کو اقبال نے رُستخیز کی کیفیات سے باور کیا ہے۔ کہتے ہیں۔

دِل نہیں شاعر کا، ہے کیفیتوں کی رُستخیز

کیا خبر تجھ کو درونِ سینہ کیا رکھتا ہوں میں

اقبال کا فکری ماخذ دنیا کے تمام تر ایقانات و فلسفوں کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے افکار و نظریات کی دنیا میں حشر بپا کرتا ہے اقبال کے درون سینہ دھما کو انکشافات نے انسانوں کے خود ساختہ نظریات کی بے زمینی کا بھرم کھول دیا جیسے کوہ شکن مشین چٹانوں کو کاٹ کر راستہ بناتی ہیں فکری ماخذ کے بعد اگر اقبال کے کمال عرض ہنر کی بات کرتے ہیں تو ایسے شعری ذائقوں کا احساس ہونے لگتا ہے جو صدیوں پر محیط ہے ایک نظم ''نمود صبح'' کے یہ اشعار۔۔

ہو رہی ہے زیر داماں اُفق سے آشکار
صبح یعنی دُختر دوشیزۂ ونہار
پا چکا فرصت درود فصل انجم سے سپہر
کشت خاور میں ہوا ہے آفتاب آئینہ کار
آسماں نے آمد خورشید کی پا کر خبر
محمل پروار شب باندھا سر دوش غبار
شعلہ خورشید گویا حاصل اس کھیتی کا ہے
بوئے تھے دہقان گردوں نے جو تاروں کے شرار
ہے روال نجم سحر' جیسے عبادت خانے سے
سب سے پیچھے جائے کوئی عابد شب زندہ دار
مطلع خورشید میں مضمر ہے یوں مضمون صبح
جیسے خلوت گاہ مینا میں شراب خوش گوار
یہ دامانِ باد اختلاط انگیز صبح
شورش ناقوس' آواز اذاں سے ہم کنار

جاگے کوئل کی اذاں سے طائران نغمہ سنج

ہے ترنم ریز قانون سحر کا تار تار

نمود صبح: بانگِ دار

محولہ اشعار میں اقبال کا تخلیقی اظہار جمالیاتی حسیت' زبان وبیان پر بے پناہ قدرت لفظ شناسی صّوری حُسن کاری کی نت نئے جمالیاتی پیکروں کی چکاچوند دل و دماغ کو خیرہ کر دیتی ہے۔

زیر دامان اُفق = مشرق' دختر دوشیزۂ لیل ونہار = صبح' درود فصل انجم = اختر شماری' کشت خاور = مشرق محمل پرواز شب = آخر شب محمل' سر دوش غبار = دھندلکوں کے شانے پر' تاروں کے شرار = نورانی چنگاریاں' نجم سحر کی ست روی = عابد شب زندہ دار کی مانند' خلوت گاہ مینا' شراب خوشگوار = شراب طہور' قانون سحر کے تاروں کی ترنم ریزی جیسے مرکب الفاظ کے برش اور متخیلہ کے گونا گوں رنگوں سے اقبال نے نمود صبح کا شہکار پورٹریٹ بنایا ہے۔ جو مُنالیز اسے زیادہ حسین ترین اور پکاسو کی تخلیقیت سے کہیں زیادہ دقیع تر ہے کلام اقبال کی ترکیب لفظی کے معیار اور ندرت اظہار کے حوالے سے اپنی مثال آپ ہے۔

اقبال بھی غالب ؔ کی طرح اپنی فارسی شاعری کو اُردو شاعری پر فوقیت کے قابل باور کرواتے ہیں۔ فارسی شاعری اُردو میں شعر کہتاہے۔ تو فطری طور پر اُردو میں فارسی تراکیب درآتی ہیں۔ تاہم فقط ترکیب لفظی کے بل بوتے شعر آفرینی نہیں ہوتی اس کے لے ترکیب لفظی کا تخلیقی شعور درکار ہوتاہے۔ جو اقبال کے یہاں بدرجہ کمال پایا جاتا ہے۔ مثلاَ یہ شعر

میری نوائے شوق سے شور حریم ذات میں غلغلہ ہائے الاماں بت کدۂ صفات میں

حریم ذات بت کدہ صفات 'اُردو کے عام اور مروجہ الفاظ میں اقبال کے تخلیقی شعور نے انھیں ترکیب دے کے نئ معنویت کا انکشاف کیاہے۔ اس شعر میں اقبال اپنے فکری ماخذ کو نوائے شوق سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس کے سبب وجود انساں کے باطن میں انقلاب بپاہے یعنی دنیائے انفس میں تغیر ہونے لگاہے اور آفاق ذات (جس کے لئے اقبال نے بت کدۂ صفات جیسی اصطلاح وضع کی ہے) اقبال کی زلزلہ خیز نوائے شوق سے پناہ مانگنے لگی ہے۔ انقلاب ذات وصفات کی تعبیرات کے

لئے حریم ذات اور بت کدۂ صفات اور ایسی بیش تر اصطلاحوں کی اختراع سے اُردو شاعری میں لفظ و معنی کی نئی بستیاں آباد ہو گئی ہیں۔ اس حوالے سے ایک نظم " بیداری" کے اعماق فکر اور جدت لفظ و معنی کے ساتھ ساتھ چل کر دیکھتے ہیں۔

جس بندۂ خود بیں کی خودی ہو گئی بیدار
شمشیر کی مانند ہے بُرّندہ و بُرّاق
اس کی نگہہ شوخ پہ ہوتی ہے نمودار
ہر ذرّے میں پوشیدہ ہے جو قوتِ اشراق
اس مرد خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو
تو بندۂ آفاق ہے وہ صاحب آفاق
تجھ میں ابھی پیدا نہیں ساحل کی طلب بھی
وہ پاکی فطرت سے مَحرم اعماق

بیداری: ضرب کلیم

بندۂ خود بنیں' قوتِ اشراق' بندۂ آفاق' صاحب آفاق' محرم اعماق' وغیرہ اصطلاحیں معنوی زاوئیہ نظر سے حروف کی صف نہیں بلکہ صف'

صف دانشوراں لگتی ہیں۔ معروف الفاظ کو ترکیب دے کر اجنبی اصطلاحیں تراشنا اقبال ہی کا حصہ ہے تبھی تو کہتے ہیں ع ارتباط حرف و معنی اختلاط جان و تن۔ واقعی اقبال محرم اعماق معنی شاعروں فلسفی اور دانشوروں کی صفوں کے آگے امامت کرتے نظر آتے ہیں۔ بندۂ خود بین کی بیداری اُردو شاعری کا بالکل نیا کردار ہے۔ شمشیر کی مانند برندہ و برّاق اس کی منفرد صفات کا شناخت نامہ ہے۔

اور آگے کا انکشاف یہ کہ اس بندۂ خود بین کی شوخ نظر کی ضیا سے۔ ذرے ذّرے قوت اشراق پیدا ہوتی ہے۔ اقبال ایک عام آدمی سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔ جو بندۂ مومن نہیں وہ بندۂ آفاق ہے اور بندۂ مومن صاحب آفاق ہے۔ فطرت کی

تطہیر سے بندہ ادراک حق کی گہرائیوں کا رمز شناس ہو جاتا ہے۔ اور ایسی تمام تر توانائیاں خود احتسابی و خود شناسی سے پیدا ہوتی ہیں۔ ایسے حقائق تمکنت و وقار کے باعث شاعرانہ اظہار کا موضوع نہیں ہوتے یا پھر شعری اظہار ان کا متحمل نہیں ہوتا انھیں موضوع شعر بنالینا دائرہ امکان سے باہر کی بات ہے۔ اور اقبال نے اس امکان بعید کو امکان یقینی ثابت کر دکھایا ہے۔ اختراع اصطلاح کی ہنر مندی نظم ''مستیٔ کردار'' میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

صوفی کی طریقت میں فقط مستیٔ احوال
مُلّا کی شریعت میں فقط مستیٔ گفتار
شاعر کی تو امردہ و افسردہ و بے ذوق
افکار ہیں سرمست نہ خوابیدہ نہ بیدار
وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پئے میں فقط مستیٔ کردار

مستیٔ کردار: ضرب کلیم

مستیٔ کردار نظم کی مرکزی شبیہ ہے۔ ملّا صوفی اور شاعر سے اس شبیہ کا موازانہ کیا گیا ہے۔ صوفی محض 'حال' کے ظاہری حلیے کو مظہر طریقت سمجھتا ہے ملا کی شریعت بس یہی کہ وہ وعظ و بیان پر اکتفا کرتا ہے اور شاعری جمود افسردگی اور بے ذوقی کی الگنی پر لٹک رہی ہے شاعر کے افکار و اظہار اس قدر بوجھل اور بد ذائقہ ہیں کہ ان پر خوابیدگی یا بیداری کا گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔ ایسا مرد مجاہد اقبال کو کہیں بھی نظر نہیں آتا جسے کردار کی مستی کا Modle ماڈل کہا جاسکے۔ اس نظم میں صوفی طریقت' احوال' مستی' مُلّا شریعت' مرد مجاہد مستیٔ کردار خاص ایسی اصطلاحات ہیں جنھیں علم تصوف کا گیان رکھنے والا ہی سمجھ سکتا ہے۔ اور علم تصوف کا مقصود ہے تشکیل کردار اور ذہنی تربیت جو قرآن و حدیث سے اخذ کیا گیا جامع نصاب ہے

اس میں پہلے تھیوری سمجھائی جاتی ہے پھر سلوک طے کرنا ہوتا ہے۔یعنی صبر و تحمل کے ساتھ نفس کی منفی محرکات سے نبرد آزمائی کے تجربوں سے گذرنا ہوتا ہے اور تزکیۂ قلب کے صبر آزما مرحلوں سے کامیاب گذر گیا وہ مرد مجاہد کہلایا۔ مستی ماحول مستی گفتار مستی کردار اُردو کے غیر مذہبی شعری اظہار کی اجنبی اصطلاحات ہیں۔ اور غیر روایتی شعر گوئی کا پہلا تجربہ بھی۔

اس لحاظ سے اقبال کی شعری کائنات علم و آگہی اور حرف ہنر کی عظیم تجربہ گاہ ہی نہیں تربیت گاہ بھی ہے۔ شاعری کے مزاج دانوں اور تشنہ گان علم و حکمت کے لئے شعر اقبال نمود حیات ہے۔ جیسا کہ اقبال نے کہا ہے۔

خودی کی تربیت و پرورش پہ ہے موقوف
کہ مشت خاک میں پیدا ہو آتش ہمہ سوز

''آتش ہمہ سوز'' اے بے پناہ توانائی کی نمائندہ اصطلاح ہے جس سے اقبال سے پہلے اقبال کے بعد بھی کوئی متعارف نظر آتا نہیں نئی صدی کی تمام تر سائنسی و صنعتی کرامات کی جان ہے انرجی' چاہے وہ برقی ہو کہ جوہری' اقبال نے ابن آدم کے لئے جس انرجی کا انکشاف کیا ہے وہ ''آتش ہمہ سوز'' ہے۔ اقبال زندگی کو نفس شماری نہیں بلکہ نفس گدُازی مانتے ہیں۔

تُو مری نظر میں کافر میں تری نظر میں کافر
ترُدیں نفس شماری مرادیں نفس گدُازی

حرف شعر شعور مشتق ہے اور شعر اقبال اس حرف کا جامع مصداق ہے۔ اقبال اک مکمل شاعر بھی ہیں اور عظیم المرتبت روحانی اُستاذ بھی

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے